نقد و تبصرہ

(تبصرے کے لئے دو نسخے ارسال فرمایئے)

امثال آصف الحکیم

حکمت آموز اور نصیحت آمیز امثال و حکایات پر مشتمل یہ کتاب عربی سیکھنے کے شائقین کے لئے بڑی دلچسپ اور کارآمد کتاب ہے۔ عربی قواعد کی ابتدائی باتیں سیکھنے کے بعد عربی عبارت کو پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت بہم پہنچانے کے لئے یہ کتاب عمدہ مشق کا کام دیتی ہے۔ ۵۶ صفحات کی کتاب میں چھوٹی بڑی کل ۱۳۶ حکایتیں ہیں۔ تمثیل کے پیرائے میں مفید باتیں ہیں۔ ان کے مضامین دلچسپ اور عام فہم ہیں۔ ان کی زبان رواں اور سلیس ہے۔ یہ حکایتیں اصلاً انگریزی میں تھیں مولانا فراہی نے ان کو عربی کا جامہ پہنایا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ یہ ترجمہ مولانا نے اوائل عمر میں اس وقت کیا تھا جبکہ وہ ابھی خود عربی سیکھ رہے تھے[1]۔ یہ کسی اور کی نسبت تعجب کی بات ہو سکتی ہے مگر ایک ایسے شخص کی نسبت تعجب کی بات نہیں ہو سکتی جس نے فارسی کے شعرائے متقدمین کے تتبع میں اس وقت قصیدے لکھے جب وہ ہنوز فارسی زبان کا طالب علم تھا اور عربی سیکھتے ہوئے عربی زبان میں شاعری کی۔

یہ کتاب مولانا کے مسودات میں ان کی وفات کے بعد ملی۔ نہیں معلوم انہوں نے کس ارادے سے اس کا ترجمہ کیا تھا اور اسے طبع کیوں نہیں کرایا۔ یہ کتاب ان کی وفات کے بعد پہلی بار (دریافت طلب) شائع ہوئی۔ اس وقت ہمارے پیش نظر اس کا تیسرا ایڈیشن ہے جو ۱۳۹۲ھ کا چھپا ہوا ہے۔ اس کے پہلے دو ایڈیشن کب شائع ہوئے معلوم نہیں ہو سکا۔ دائرہ حمیدیہ کی مطبوعات میں اس کا سلسلہ نمبر ۴ ہے۔

یہ کتاب مدرسۃ الاصلاح اور غالباً بعض دوسرے عربی مدارس میں بھی داخل نصاب ہے۔ مدرسۃ الاصلاح میں یہ کتاب عربی کی پہلی جماعت میں اسباق النحو پڑھانے کے بعد پڑھائی جاتی ہے۔ راقم الحروف نے "عالم

۱۔ دیباجۃ الکتاب۔

بے خبری" میں مولانا فراہی کی جو چند کتابیں پڑھیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ اس زمانے کے پڑھے ہوئے فقرے اور جملے خال خال اب بھی یاد ہیں۔ "کان اسدٌ ناثماً فدبّت علی وجھہ فارۃ وایقظتہ" یہ کتاب کی پہلی حکایت کا پہلا جملہ ہے۔ ایک اور حکایت کا پہلا جملہ یوں یاد ہے "کانت سلحفاۃ تشمس کسلانۃ"۔ مولانا نے کتاب کے عنوان میں ان حکایات کے اصل مصنف کے نام کا ذکر کرکے اپنی علمی دیانت کا جو ثبوت دیا ہے وہ قابل رشک و تقلید ہے۔ زمانۂ طالب علمی میں مولانا کا ایمانی شعور اس قدر بالغ تھا اور امانت دیانت کا احساس اس قدر غالب تھا کہ انہوں نے نہ صرف نام باقی رکھا بلکہ آغاز کتاب میں بھی ضمناً اس کی تصریح کردی ہے۔ میں نے صغر سنی میں جب یہ کتاب پڑھی تھی تو یہی سمجھ کر پڑھی تھی کہ آصف الحکیم کی کتاب ہے۔ یہ حقیقت مجھ پہ اب منکشف ہوئی کہ اس کتاب کا مولانا فراہی سے بھی کوئی تعلق ہے۔

آغاز کتاب میں مولانا نے "خصائص امثال آصف" کے عنوان سے بعض نکات درج فرمائے ہیں۔ انھی میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ حکیم آصف نے جب یہ حکایات بیان کی تھیں تو وہ طرز ادا اور اسلوب بیان اور موقع محل کی رعایت کے محاسن سے آراستہ تھیں۔ لیکن بعد کے راویوں نے ان میں سے اکثر باتیں ضائع کردیں اور مولانا نے بقدر امکان اپنے اجتہاد سے ان کو دوبارہ شامل کیا۔ اسی طرح حکیم نے ان حکایات میں مخفی حکمت کو الفاظ میں ظاہر نہیں کیا تھا تاکہ لوگ خود اسے نکالیں اور سمجھیں لیکن راویوں نے ذکر کرکے اصل پر اس کا اضافہ کردیا۔ مولانا نے راویوں کی پیروی نہیں کی اور ترجمے میں ان کو حذف کردیا۔ یہ دیکھ کر ایک بار پھر حیرت و استعجاب کی کیفیت ابھرتی ہے کہ مولانا کم عمری میں بھی اتنے بالغ النظر، نکتہ سنج، باریک بیں اور دقیقہ رس تھے کہ نہ صرف ان امتیازات کو سمجھ سکے بلکہ ان کی بازیافت کی کامیاب کوشش کی۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولانا کے پاس اپنے ذوق، بصیرت اور حکیمانہ نظر کے سوا ان حکایات کو پرکھنے کا ذریعہ کیا تھا۔ جیسا کہ مولانا کی تصریحات سے مترشح ہوتا ہے یہ حکایتیں رواۃ کا تختۂ مشق بننے کے بعد اپنی اصل سے بہت کچھ مختلف ہوگئی تھیں۔ کیا اصل حکایات کسی زبان میں محفوظ ہیں؟ -

مولانا نے کس حد تک اصلاح و ترمیم کی ؟ اگر انگریزی کتاب جس سے ترجمہ کیا گیا ہے بھی سامنے ہو تو یہ ایک دلچسپ مطالعہ ہو سکتا ہے۔ مولانا نے امثال و حکایات کی خصوصیات سے متعلق جو فنی نکات بیان کئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوائل عمر میں بھی ان کی طبیعت دراک تھی اور ان میں نقد کا گہرا شعور اور اعلیٰ مذاق پیدا ہو چکا تھا۔ ممکن ہے کسی کو یہ خیال ہو کہ مبتدیوں کی ایک ریڈر میں وہ بھی بہ شکل ترجمہ ایسی کونسی خاص بات ہو سکتی ہے جو اس طول کلام کی مقتضی ہو۔ جب تک محض کتاب اور اس کی حکایات نظر میں تھیں میں نے بھی چنداں توجہ کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن جب اس کی کیفیت پر نظر گئی تو عجائبات کا عالم نظر آیا۔ جس کو دیکھنے کے بعد عقل یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ یہ مولانا کے زمانۂ طالب علمی کا کارنامہ ہے۔ اس کتاب کی ابتدائی سطور میں اس کا ذکر موجود نہ ہوتا تو اسے تسلیم کرنا مشکل تھا۔ نہیں معلوم مرتب یا ناشر کے اس بیان کی بنیاد کیا ہے مسودے میں ایسی کوئی شہادت تھی یا کسی دوسرے ذریعے سے یہ معلوم ہوا۔ بہر حال یہ کتاب اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے معمولی اور غیر اہم سہی مولانا کے علمی سفر کی غالباً پہلی منزل ہونے کے ناطے اسے یوں نظر انداز کرنا شاید درست نہ ہو۔ اس کتاب میں ایک نقاد کو ایسی بہت سی باتیں مل سکتی ہیں جن سے مولانا فراہی کے ذہنی ارتقا کی کڑیاں ملائی جا سکتی ہیں۔ فکر فراہی کے بام بلند کی یہ پہلی سیڑھی ہے۔ المعلم عبد الحمید الفراہی کے امیال و عواطف اگر شروع ہی سے ایسے نہ ہوتے تو ان کا راستہ اور ہوتا۔

(شرف الدین اصلاحی)